آ، تجھ کو بتاؤں میں، تقدیرِ اُمم کیا ہے؟

از: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اعداء اسلام کے ساتھ جو معرکہ آرائیاں ہوئیں، ان میں غالبًا سب سے سخت معرکہ ’غزوۂ احزاب، کا تھا، اس غزوہ میں تمام اسلام دشمن طاقتیں یکجا ہوگئی تھیں، اس میں مکہ کے مشرکین بھی تھے، قبیلۂ بنوغطفان کے جاں باز بھی ان کے دوش بدوش تھے اور مسلمانوں کے بغلی دشمن یہود بھی اس نازک وقت میں کھل کر مسلمانوں کی مخالفت میں سرگرم ہوگئے تھے، اس طرح بیس ہزار کا لشکرِ جرار مدینہ کی اس مختصر آبادی کا محاصرہ کیے ہوا تھا، جو محض دو ڈھائی ہزار نفوس پر مشتمل تھی، یہ بڑا نازک وقت تھا؛ اسی لیے مسلمانوں نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے مشورہ پر عمل کرتے ہوئے ایرانیوں کے طریقۂ جنگ کے مطابق ایک گہری اور وسیع خندق کھودی، سامنے کی طرف سے یہ خندق تھی اور پشت کی طرف سے پہاڑ تھے؛ تاکہ دشمن مسلمانوں تک پہونچ نہ سکیں، تقریبا بیس دنوں مسلمان محاصرہ کی حالت میں رہے۔

جنگ کے موقع پر یہ بات ضروری ہوتی ہے کہ فوجیوں کو غذائی رسد اور ضروری سہولتیں حاصل رہیں، تبھی وہ پوری قوت اور جوش وولولہ کے ساتھ حملہ کرسکتے ہیں اور اپنے دفاع کا فریضہ انجام دے سکتے ہیں؛ لیکن صورتِ حال یہ تھی کہ یخ بستہ کردینے والی ٹھنڈک اور اس کے ساتھ ساتھ غذا کی نہایت قلت، غذائی صورت حال یہ تھی کہ راوی نقل کرتے ہیں:

”یُؤتُون بِمِلإ کَفّي مِن الشعِیرِ فَیُصنَعُ لَھُم بإھالۃِ سنِخۃٍ تُوضَعُ بَینَ یَدَيِ القَومِ والقَومُ جِیاعٌ وھِی بشِعۃ فِی الحلقِ ولھا رِیح منتِن“ (صحیح البخاری، کتاب المغازي، باب غزوۃ الخندق وھو الأحزاب، حدیث نمبر:۳۷۹۱)

”صحابہ کے پاس دو مٹھی جو لایا جاتا مزہ اتری ہوئی بدبودار چربی کے ساتھ اس کو ان کے لیے پکایا جاتا، جو لوگوں کے سامنے رکھ دیا جاتا، درانحالیکہ وہ بھوکے ہوتے“

مگر کیا مجال تھی کہ کبھی زبان پر شکوہ آئے، احتجاج ہو، یا بطورِ الحاح والتجا، ہی رسول اللہ ﷺ کے سامنے عرضِ مدعا کیا جائے، وہ ہمیشہ صبر وقناعت کا پیکر بن کر رہتے اور ہر حال میں ان کی زبان اللہ تعالیٰ کے شکر و سپاس سے تر رہتی، معمولی ہتھیاروں سے چٹان کے پتھروں کو توڑنا اور خشک پتھریلی زمینوں کو کھودنا آسان بات نہیں تھی؛ لیکن صحابہؓ کا حال یہ تھا کہ پورے جوش وخروش کے ساتھ اپنا کام کیے جاتے، سخت جسمانی کام کرتے ہوئے، بعض اوقات لوگ نعرہ لگاتے اور نغمے گاتے ہیں، یہ بات ان کے لیے کام کو آسان بناتی ہے اور ان میں نیا جوش وولولہ بھر دیتی ہے، عربوں کے یہاں بھی اس کا رواج تھا؛ چنانچہ صحابہؓ اس موقع سے حوصلہ بڑھانے والے اشعار پڑھتے، ان اشعار کے لفظ لفظ سے رسول اللہ ﷺ سے ان کا عشق، اللہ کی قدرت پر بے پایاں یقین اور اللہ کے فیصلوں پر راضی رہنے کا جذبہ اور صبر وقناعت کا عزمِ مصمم ظاہر ہوتا ہے، آپ بھی ان ایمان افروز اشعار کو پڑھیے جن کو امام بخاریؒ نے اپنے مجموعۂ حدیث میں نقل کیا ہے:

نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوا محمدا
عَلى الجهادِ مَا بَقِيْنَا أبدا

(صحيح البخاری ، كتاب المغازی ، باب التحريض على القتال ، حدیث نمبر:۲۸۴۳)

”جب تک ہم زندہ رہیں گے اس وقت تک کے لیے ہم نے محمد (ﷺ) کے ہاتھ پر بیعت کی“

وَاللّٰهِ لولا اللّٰهُ مَا اهْتَدَيْنَا
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّيْنَا
فَأنْزِلَنْ سَكِينَةً عَلَيْنَا
وَثَبِّتِ الأقدامَ إنْ لَاقَيْنَا
إنَّ الْأُلىٰ قَدْ بَغَوْا عَلَيْنَا
إذا أرادُوا فِتنةً أَبَيْنَا

(حوالہ سابق، حدیث نمبر:۴۱۰۴)

”خدا کی قسم! اگر اللہ ہمیں ہدایت سے نہ نوازتے تو ہم ہدایت نہیں پاتے اور نہ صدقہ دیتے اور نہ نماز پڑھتے، پس خداوندا! ہم پر سکینہ نازل فرمایئے اور جب ہمارا مقابلہ دشمن سے ہو تو ہمیں ثابت قدم رکھیے، ان لوگوں نے ہمارے خلاف زیادتی کی ہے، جب انھوں نے فتنہ پیدا کرنا چاہا تو ہم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا“

ایک طرف آپ ﷺ کے رفقاء پر فقر و فاقہ کی آزمائش ہے، دوسری طرف یہ جذبۂ سرفروشی اور جانبازی و جان نثاری بھی دوش بدوش ہے، اسی ماحول میں اسلام کا سورج جزیرۃ العرب کے افق پر طلوع ہوا، وہ بلندی کا سفر طے کرتا گیا؛ یہاں تک کہ اس کی کرنیں مشرق سے مغرب تک پھیل گئیں، اس پر ایمان لانے والوں کے ایک ہاتھ میں فولاد کی تلوار ہوتی تھی اور دوسرے ہاتھ میں اخلاق کی تلوار، ان کی زندگی میں اتنی سادگی اور قناعت تھی کہ انھیں متاعِ سیم وزر کی طرف دوڑنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، دنیا کے لوگ مال و دولت کے انبار کے ذریعہ اپنی شان وشوکت کے مصنوعی محل کھڑا کرتے ہیں: مگر ان کا رعب وجلال ان کی فقر و دُرویشی میں پنہاں تھا، بڑے بڑے بادشاہوں کو ان سے گفتگو کا یارانہ ہوتا تھا؛ اسی لیے رسول اللہ ﷺ کو یہ خوف دامن گیر نہیں تھا کہ میری امت معاشی اعتبار سے پسماندہ ہوجائے گی اور اس فقر و پسماندگی کی وجہ سے اسے ذلت ورسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا؛ بلکہ آپ کو ڈر اس بات کا تھا کہ یہ امت جد و جہد کے جذبہ سے محروم ہوکر عیش وعشرت میں مبتلا نہ ہوجائے، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

”خدا کی قسم! مجھے تم پر فقر ومحتاجی کا خوف نہیں ہے؛ لیکن میں تم پر جس بات کے بارے میں ڈرتا ہوں وہ یہ ہے کہ تم پر دنیا کی نعمتیں بچھادی جائیں گی، جیسے تم سے پہلوں کے لیے بچھادی گئی تھیں، پھر پچھلی قوموں کی طرح تم دنیا کے سلسلہ میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنے لگوگے اور جیسے دنیا کی حرص نے انھیں غفلت اور لہو ولعب میں مبتلا کردیا تھا، کہیں تم کو بھی غفلت اور لہو ولعب میں مبتلا نہ کردے“ (بخاری، باب ما یحذر من زھرۃ الدنیا والتنافس بھا، حدیث نمبر:۶۴۲۵)

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”مجھے اپنے بعد تمہارے شرک میں مبتلا ہوجانے کا اندیشہ نہیں؛ لیکن اس بات کا ڈر ہے کہ دنیا کی دولت میں تم ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی کوشش کروگے“ (دیکھیے: بخاری، حدیث نمبر:۶۴۲۵)

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی روشنی میں آج عمومی طور پر مسلمانوں کا اور خاص طور پر مسلمان حکمرانوں کا حال دیکھا جائے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنی امت کے بارے میں جس چیز سے ڈرتے تھے، آج امتِ مسلمہ عملی طور پر اسی مرض میں مبتلا ہے، گذشتہ ماہ ڈیڑھ ماہ سے عالم عرب میں آزادی اور جمہوریت کی جو لہر اٹھی ہے، اس نے زور زبردستی سے برسر اقتدار رہنے

والے فرماں رواؤں کی نیند حرام کردی ہے، ساتھ ہی بعض ایسے واقعات سے بھی پردہ اٹھ رہا ہے، جو اقتدار کی دبیز اور مضبوط دیواروں کی اوٹ میں چھپے ہوئے تھے، جیسے تیونس کے آمر زین العابدین بن علی جب اپنے ملک سے فرار ہوئے تو اس طرح کہ سولہ ٹن سونے کی اینٹیں ان کے ساتھ تھیں، اس کے ساتھ مال و دولت کے اور جو خزانے لے جائے گئے ہوں گے، ان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے، مصر کے سابق صدر حسنی مبارک کی بیوی اور بیٹے کئی لدے لدائے جہازوں کے ساتھ مصر سے بھاگے اور خود حسنی مبارک کی دولت کا اندازہ کیا جائے کہ وہ دو بلین ڈالر سے بھی زیادہ ہے، لیبیا کے صدر کی صورت حال یہ ہے کہ ان کی دوسری بیوی دو ٹن سونا لے کر فرار ہو چکی ہیں، ان کی ایک محبوبہ جو یوکرین کی متوطن ہیں اور سایہ کی طرح ان کے ساتھ رہا کرتی تھیں، وقت کے تیور کو دیکھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ وہ دولت کا ایک انبار لے کر اپنے وطن پہونچ چکی ہیں، پھر قذافی کی عیاشی اور عشرت آرائی کا حال یہ ہے کہ ان کے ساتھ دو سو جوان اور نوجوان خاتون باڈی گارڈ ساتھ ہوتی ہیں اور یوکرین کی محبوبہ نرس کے طور پر ان کے ساتھ رہتیں، دولت جمع کرنے اور دادِ عیش دینے کی قریب قریب یہی صورت حال اکثر عرب ملکوں میں ہے، جہاں فرماں رواؤں نے عوام کو اپنا غلام اور ملک کو اپنی ذاتی جائداد سمجھ لیا ہے، افسوس ناک بات یہ ہے کہ ان کی ہوسِ دولت کو پوری کرنے کے لیے ملک میں موجود بینک کافی نہیں ہوتے؛ اس لیے زیادہ تر مسلم حکمرانوں کے پیسے مغربی ممالک کے بینکوں میں محفوظ کیے گئے ہیں، ان ہی ملکوں میں انھوں نے سرمایہ کاری کر رکھی ہے اور یہیں بڑے بڑے قصور و محلات واقع ہیں؛ اس لیے جب مغرب کے کٹ پتلی حکمرانوں کے خلاف ان کے ملک میں فضا بنتی ہے تو مغربی قوتیں مخالفین کی مدد کرتی ہیں اور ان کی طرف سے برپا کی جانے والی شورشوں کو تقویت پہونچاتی ہیں، ادھر ان کا تختِ اقتدار متزلزل ہوا اور اُدھر ان کے کھاتے منجمد کردیئے جاتے ہیں اور ان کی ساری دولت پر قبضہ جمالیا جاتا ہے، ان کے بعض 'بے نامی' کھاتے بھی ہوتے ہیں، ایسی صورت میں کوئی ان کے بارے میں پوچھنے والا بھی نہیں ہوتا۔

ایک طرف عالمِ اسلام کی یہ صورت حال ہے اور دوسری طرف ہمارے سامنے رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے ایک چھوٹے سے ملک جاپان کی مثال ہے، مورخہ ۱۱/ مارچ ۲۰۱۱ء کو جاپان میں زبردست سونامی آئی، جس کی مثال صدیوں میں نہیں ملتی، یہ ایسی سونامی تھی کہ آٹھ میٹر بلند سمندر کی سرکش موجیں آبادی میں گھس پڑیں اور پوری آبادی کو دھو کر رکھ دیا، مکانات اس طرح گر پڑے کہ گویا بچوں کے کھیلنے کے مٹی کے گھروندے ہوں، کاریں اور بسیں ماچس کی ڈبیوں کی طرح سڑکوں

پر بہنے لگیں، سمندری سونامی کے ساتھ ساتھ زمین میں بھی زلزلہ آگیا، اس کے نتیجہ میں تین نیو کلیرری ایکٹر اڑ گئے اور اس کی تابکاری کے اثرات ایک وسیع علاقہ میں پھیل گئے، ایک ہی وقت میں اس قوم کو زلزلہ، سونامی اور نیوکلیر حادثہ سے گذرنا پڑا؛ لیکن اس قوم نے اپنی حوصلہ مندی، جدو جہد اور قربانی کے ذریعہ ان حادثات کا مقابلہ کیا، نہ دنیا کی دوسری قوموں کے سامنے ہاتھ پھیلایا، نہ آہ و بکا کی اور نہ پست ہمت ہوئے، جس پامردی کے ساتھ انھوں نے حالات کا مقابلہ کیا ہے، وہ یقیناً ایک مثال ہے، اور بجا طور پر پوری دنیا میں ان کی ان کوششوں کو داد دی جارہی ہے، شاعرِ حقیقت شناس علامہ اقبالؒ نے خوب کہا تھا:

آ ، تجھ کو بتاؤں میں تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سنان اول ، طاؤس و رباب آخر

یعنی جب کوئی قوم ترقی وعروج کا سفر طے کرتی ہے تو وہ تلواروں اور نیزوں سے مزین ہوتی ہے، وہ مشکل حالات کو برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتی ہے، وہ عیش وعشرت کے خاکوں میں رنگ بھرنے کے بجائے جدوجہد کے میدان میں آگے بڑھتی ہے، اور جب قوموں کے زوال وانحطاط کا زمانہ آتا ہے تو وہ عیش وعشرت کے نقشے بنانے لگتی ہے اور رقص وسرود سے اپنے دل کو بہلانے کی عادی ہوجاتی ہے، یہی وہ بات ہے کہ جس کا رسول اللہ ﷺ اندیشہ رکھتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کسی قوم میں خیانت اور بددیانتی پیدا ہوجاتی ہے تو وہ کم ہمت اور بزدل ہوجاتی ہے: "مَا ظَهَرَ الْغُلُوْلُ فِيْ قَوْمٍ إِلَّا أُلْقِيَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الرُّعْبُ" (طبری،ص:۲۶۹۶)۔

اس وقت عالم اسلام کی صورت حال یہی ہے کہ اپنی قوم کے ساتھ حکمرانوں کا معاملہ بدترین بددیانتی کا ہے اور صہیونی وصلیبی طاقتوں کے سامنے شرمناک بزدلی اور کم حوصلگی کا، عام مسلمانوں کی بھی صورت حال یہ ہے کہ وہ علم وتحقیق، محنت اور جدوجہد میں پیچھے ہیں اور عیش پرستی میں آگے، دوسری قومیں ہمیں دیکھتی ہیں اور خندہ زن ہوتی ہیں کہ یہ لٹی پٹی اور ذلیل ورسوا کی ہوئی قوم اپنی محرومی اور کم نصیبی کو بھول کر کس طرح دادِ عیش دے رہی ہے، کاش! ہم اس طرزِ عمل میں تبدیلی لائیں، اپنے اندر حالات کا مقابلہ کرنے اور جدوجہد کے ذریعہ آگے بڑھنے کا حوصلہ پیدا کریں اور عیش وعشرت کے نقشوں کو تج کر، ایک باعزت اور آبرومندامت کی حیثیت سے دنیا کے نقشے پر اپنے آپ کو لانے کی کوشش کریں۔

❁ ❁ ❁